جلال الدین رومی

غزلیات

(۵)

کیا شکل ہے، کیا شیوہ ہے، کیا قد و خد، کیا دست و پا
کیا رنگ، کیا آہنگ ہے، مہ کو چھُپائے ہے قبا

تو سرو ہے یا ہے چمن، تو لالہ ہے یا یاسمن
تو شمع یا قندیل ہے، یا رقصِ گل میں ہے ہوا

یہ عشق ہے آتش کدہ سب نقش و صورت ہے وہی
ہم دل زدوں کا کارواں ہے مانگتا جس سے اماں

اس آگ میں، اس سوز میں، میں روز و شب جلنے لگا
ہے فرخؔ پیروز تو میرے لیے شمس الضحیٰ

اس ماہ پر گرداں رہوں، بے لب سلام اس کو کروں
تن کو زمیں پر ڈال دوں، جب تک کہے وہ الصلا

گلزار و باغ عالم کا تو، چشم و چراغ عالم کا تو
اور درد و داغ عالم کا تو، کرنے لگے جس دم جفا

کرنے لگا میں جاں گِرو، اس نے کہا ”زحمت نہ دے“
چاکر بنوں، خدمت کروں تا وہ کہے ”نادان آ“

دل کا قرار آخر گیا سب کاروبار آخر گیا
اوّل شب و اوّل سحر، اِک خواب رہتا ہے ترا

یہ دلربا صورت تری، یہ نرگسِ جادو تری
یہ سنبلِ ابرو ترا اور لعلِ شیریں ذایقہ

اے عشق اوروں نے تجھے نام و لقب کیا کیا دیئے
میں نام دوں گا دوسرا یعنی کہ دردِ لادوا

اس جاں کی رونق تجھ سے ہے گرداں ہوں میں جیسے فلک
جوں پاٹ[1] چکّی کا پھرے، اب بھیج گندم خوش لقا

اب میں نہ لب کھولوں گا بس، اشعاریہ کافی سمجھ
پگھلی ہے جاں، بارے ہوس، ارفق بنا یا رَبّنا

☆

۱۔ مولانا کے مخصوص رقص کی طرف اشارہ ہے۔ چکّی کی مناسبت سے گندم، چکی کی تمثیل دیوان میں جابجا ہے۔گندم: مولانا لکھتے ہیں، ”ہمه صاحب دلاں گندم که بامغز ند و بالذّت“۔

(۱۴)

اے عاشقاں ، اے عاشقاں ہیں آج تم اور ہم یہاں
غرقاب ہیں اس جھیل میں، ہیں تیرنے سے آشنا

سیلاب آجائے اگر موجیں فلک تک جس کی ہوں
کیا ڈر پرندِ آب کو، ڈرتا رہے مرغِ ہوا

روشن حلاوت سے ہیں رخ، ہم موج و دریا دان ہیں
ہوتے ہیں مچھلی کے لیے دریا و طوفاں جانفزا

دستار دے اے شیخ ہمیں، اے آب ہم کو غوطہ دے
اے موسئ عمران آ اور مار پانی پر عصا

ساقی کا سودا ہے ہمیں، باقی مبارک غیر کو
ہر سر میں سودا دوسرا بھرنے لگی دیکھو ہوا

ساقی نے کل اس راہ میں سر سے اُڑا لی تھی کلہ
اور آج دیتا ہے سبو تن سے اتارے تا قبا

اے رشک ماہ و مشتری پنہاں ہے تو جیسے پری
کھینچے لیئے جاتا ہے تو آخر کہاں، آخر کہاں

جائے جہاں میں ساتھ ہوں اے جانِ و دل کی روشنی
مستی کی جانب لے چلے یا لے چلے سوئے فنا

دنیا بھی کوہ طور ہے، مانند موسیٰ ہم بھی ہیں
ہر دم تجلّی ہے وہی، صد پارہ ہے دل کوہ کا

سرسبز ایک پارہ ہوا، اک پارہ نرگس بن گیا
اک پارہ گوہر بن گیا، اک پارہ لعل و کہربا

اے طالبِ دیدار سُن، آوازۂ کہسار سُن
مے کیسی پی اس کوہ نے، دل مست ہیں سن کر صدا

اے باغباں ہم میں نہاں کیا کردیا تونے بتا
تیرے چُنے انگور اگر، تونے وہ کیسہ لے لیا

☆

(۱۳)

اے بادِ بے آرام تو اس گل کو یہ پیغام دے
اے گُل نہ پائے گا شکر، گلشن سے ہوکر تو جدا

شکّر ہی تیری اصل ہے، شکّر سے لائق تر ہے تو
ہے خوب شکّر، خوب گُل، دونوں سے شیریں تر وفا

رخسار رکھ اس قند پر، لذّت اٹھا ، خوشبو اُڑا
مت جنگ کر اس قند سے ، بس تلخ ہے جورِ فنا

تو بن گیا ہے گُل شکر ، آرامِ دل نورِ نظر
مٹّی سے اٹھ، دل سے گزر، پس وہ کجا اور یہ کجا

کانٹوں کا تھا تو ہم نشیں، جوں عقل سے ہے جاں قریں
اب سیر کر افلاک کی، منزل بہ منزل تا لقا

تخلیق کا جو راز ہے پنہاں ہے اس کا راستہ
گلشن بہ گلشن توُ رواں کھینچے گئے نقشے جہاں

تو ہے پرندہ نادرہ، پرواز بھی برعکس ہے
پیغام ہے تیرا یہی، پر چھوڑ کر بے پر درآ

گُل تونے دیکھا یہ جہاں، کیا اس لیے ہنستا ہے تو
کیا اس پہ داماں چاک ہے، اے زیرکِ لعلیں قبا

ہیں پھول پچھلے سال کے باغِ فلک میں نعرہ زن
اے ہر کہ اپنی جان کو کرنے چلا نذرِ بلا

تو اس طبق سے یوں گزر، مے جس طرح ہے رہ چھنے
گلاّب گر کے شیشے سے ، یا روح ناپے آسماں

گُل شکر کا مطلب ہے کیا، رحمت تری ہستی مری
ہستی مری آہن صفت، رحمت تری آہن ربا

ہاں اے دل مشکیں سخن، اس بات کا پایاں نہیں
بتلائوں گا کس کو بھلا، جو مجھ سے تونے کہدیا

اے شمسِ تبریزی سُنا، رازِ شہانِ شاہ خو
بے حرف و صوت و رنگ و بو، ہے شمس کیوں کر ہو ضیا

☆

(۱۵)

شربت بنادے نیش کو بے ذات کردے ذات کو
لے ساتھ ہر بے ذات کو، خیرات دے درویش کو

کر دی شرف عشّاق کو، پُر نور کر آفاق کو
سم پر چھڑک تریاق کو، خیرات دے درویش کو

رُخ سے تجلّی ماہ لے، مسکین عطائے شاہ لے
پس ہم کو بھی ہمراہ لے، خیرات دے درویش کو

مہ کی طرح جلوہ ترا، کرتا ہے گر عشق آشنا
مجھ پر ستم ہے کیوں روا، خیرات دے درویش کو

درویش کا کیا ہے نشاں، جان و زبانِ دُر فشاں
نے چاک وصد پارہ قبا، خیرات دے درویش کو

آدم بھی تو اور دم بھی تو، عیسیٰ بھی تو مریم بھی تو
تو راز ہے، محرم بھی تو، خیرات دے درویش کو

ہر تلخ کو شیریں کیا، ہر کفر تونے دیں کیا
ہر خار کو نسریں کیا، خیرات دے درویش کو

اے جانِ جاناناں مرے، اے کفر و اے ایماں مرے
سلطانِ سلطاناں مرے، خیرات دے درویش کو

میں آج، شمع، کیا کروں، اس نور پر اڑتا پھروں
یا عشق پر جاں وار دوں، خیرات دے درویش کو

میں آج کیوں نے یوں کروں ،یکبارگی دل خوں کرو
اس کام کو نمٹاہی دوں، خیرات دے درویش کو

اس عیب میں تو کون ہے؟مچھلی ہے تو یا ناگ ہے؟
تو خود بتادے کیا ہے تو ، خیرات دے درویش کو

جاں کو عدم میں پھینک دے، کیونکه صنم بھاتی نہیں
تو محتشم ، اے محتشم، خیرات دے درویش کو

☆

(۱۹)

دیکھا ہے میں نے یار کو، اس رونق پرکار کو
یوں آسماں پر تھا رواں جیسے روانِ مصطفیٰ

خورشید ہے اس سے خجل، دل کی طرح ہے آسماں
اس کا اسیر ، اور آب و گِل کی ہے غذا اس کی ضیا

میں نے کہا زینہ دکھا، پہنچوں فلک تک کس طرح
اس نے کہا، زینہ ہے سر، اس سر کو لے آ زیرِپا

رکھے گا جب سر پر قدم، بِچھ جائیں گے تارے وہیں
چلنے لگے گا باد پر، توڑے گا تو جس دم ہوا

ہیں آسماں اور باد میں تیرے لیے سو راستے
سوئے فلک اڑتا ہے تو ہر صبح دم جیسے دعا

☆

(۲۸)

اے شـــاہِ جســـم و جـــاں مـرے، اے رونـقِ دنـداں مـرے
آنـکھـوں کے میری سرمہ کش، اے چشمِ جاں کے توتیا

اجلال سے ہے مہ خجل، ہے عشق میرے خوں میں حل
دیـکھـا تـجھـے ، دل نـے کہـا، جاء القضاء ، جاء القضاء

ہـم گیـند سرگرداں تری، چوگاں کے خم میں ہیں سدا
چـاہـے بُـلا سـوئـے طـرب ، یـا پھینک دے سوئے بلا

گہـ خـواب میـں لے جائے تو، بتلائے گہ ان کے سبب
گہـــ جـانـبِ شہـرِ بـقـا، گہـ جـانـبِ دشـتِ فـنـا

پیـدا کیـــا اس جـــان کـو، مـجـنـوں کیـــا شیـدا کیـــا
گہـــ عـــاشـقِ کـنجِ خـلا، گہـ عـاشـقِ رو و ریـــا

گہـــ مـدحـت مـولـیٰ کـرے گہـ آہ و واویـلا کـرے
گہـ خـدمـت لیـلـیٰ کـرے ، گہـ مست و مجنونِ خدا

سیـب اور کـدو جـس میـں اُگیں، طرفہ شجر تونے دیا
ہے زہـر اس میـں اور شـکـر، ہے درد اس میں اور دوا

کیسی عجب یہ نہر ہے، پانی بھی اس میں ، خون بھی
اس میں شـرابِ لالـہ گـوں، اور دودھ اور شہدِ صفا

☆

(۵۰)

گوشہ نشینِ با وفا ، مجھ سے نہاں ہے کس لیے
اس مرے خستہ دل پہ یوں ، روئے گراں ہے کس لیے

دل تو مرا ہے جا تری ، کارگہۂ وفا تری
آج ترا نفس نفس زخمِ سناں ہے کس لیئے

چشمۂ خضر تو مرا، آب حیات تو ہی ہے
آتش ہجر سے مرا خشک دہاں ہے کس لیے

روح میں لطف تھا نہاں، مہر ترا تھا بے نشاں
دل میں مرے ترے سبب نقش و نشاں ہے کس لیے

اس نے کہا میں جان ہوں، دیکھنے کی ہوس نہ کر
رخ بھی تو جان تھا تری، آہ نہاں ہے کس لیے

تُو تو ہے نورِ مستقل ، تجھ سے ستارہ ہے خجل
آج دلوں کے درمیاں ابرِ گماں ہے کس لیے

☆

(٦٣)

وہ کیا شے ہے کہ دیتی ہے حلاوت ایسی صورت کو
اگر گم ہو تو ابلیسی بنادیتی ہے صورت کو

جو صورت میں سما جائے، جہاں ہو عشق سے برہم
جو چھپ جائے، در آئے غم، نہ دیکھیں شاد صورت کو

اگر وہ جان ہے، کیوں بعض جانیں ہیں گراں اتنی
کئی جانیں تو کردیتی ہیں بس برباد صورت کو

اگر وہ عقل پُر فن ہے تو پھر ہے عقل کیوں دشمن
کہ مکرِ عَقلِ بد کرتا ہے بد بنیاد صورت کو

میں جب تبریز سے لوٹوں تو شمس الدیں سے پوچھوں گا
مجھے اس نے دکھایا ہے ہمہ ایجاد صورت کو

☆

(۷۵)

اے خواجہ نہ دیکھوگے اس روز قیامت کو؟
اس یوسفِ خوبی کو اس خوش قدوقامت کو

اے شیخ نہ دیکھو گے اس گوہر یکتا کو
ان نور کی کرنوں کو، اس جاہ و جلالت کو

سلطان نہ دیکھو گے اس مملکت جاں کو؟
اس روضۂ دولت کو، اس تخت و سعادت کو

خوش پیرہن و خوش دل، دیوانہ ہوں میں یا تو
پی ساتھ مرے یارا، اب بھول ملامت کو

جب آب رواں دیکھا، کیا کام تیمّم کا
جب عیدِ وصال آئی پھر چھوڑ ریاضت کو

خاموش کہ خاموشی ہے شہد سے بھی بہتر
اب پھونک عبارت کو اور چھوڑ اشارت کو

شمس الحقِ تبریزی تو روح کا مشرق ہے
تابش سے تری پہنچا ہر شمس حرارت کو

☆

(۸۲)

معشوقہ ہوئی مایل، پایندہ رہے یوں ہی
وہ کفر اب ایماں ہے، پایندہ رہے یوں ہی

گر ملک پریشاں تھا، شیطاں کی شرارت تھی
پھر دورِ سلیماں ہے، پایندہ رہے یوں ہی

جو یار ستاتا تھا چہرہ نہ دکھاتا تھا
غم خوارۂ یاراں ہے، پایندہ رہے یوں ہی

پیتا تھا الگ بادہ، لیتا تھا الگ لذّت
لو آج وہ مہماں ہے، پایندہ رہے یوں ہی

جھوٹا تھا ترا غصّہ ، شیریں ہے ترا شیوہ
عالم شکرستاں ہے، پایندہ رہے یوں ہی

محزونوں کے باعث اور مجنونوں کی ہمت سے
وہ سلسلۂ جنباں ہے، پایندہ رہے یوں ہی

عید آئی ہے عید آئی ، بچھڑا ہوا یار آیا
عیدی بھی فراواں ہے، پایندہ رہے یوں ہی

جھونکا تھا ہوا کا جو، ان ہونٹوں کے جادو سے
اس نے میں پُرافغاں ہے، پایندہ رہے یوں ہی

شیطاں کے تصرّف سے آزاد ہوئیں روحیں
ابلیس مسلماں ہے، پایندہ رہے یوں ہی

تو روح میں افزوں تھا، سُو تجھ کو تو ہونا تھا
اب نور فروزاں ہے، پایندہ رہے یوں ہی

خاموش نشے میں ہوں، وابستہ کسی سے ہوں
یہ ذہن پریشاں ہے، پایندہ رہے یوں ہی

☆

فارسی سے ترجمہ: فہمیدہ ریاض

(نوٹ) فارسی متن کے لیے دیکھیے: ''کلیات دیوان شمس تبریزی''
(تہران: انتشارات امیر کبیر، ۱۳۵۱)۔ – ادارہ